مطالعہ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

سلسلہ تقاریر "تعارف الکتاب"

الٓمّٓ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ (البقرہ : ۱تا۴)

اب سے ایک ہزار چار سو برس قبل رمضان المبارک ہی کے مہینے میں ایک مقدس اور مبارک رات کو پورا قرآن مجید لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا پر نازل ہوا اور اسی مبارک مہینے میں قرآن مجید کا نزول نبی اکرم ﷺ پر شروع ہوا۔ آنحضور ﷺ پر قرآن مجید کا یہ نزول لگ بھگ تئیس سالوں میں مکمل ہوا۔ اس دوران میں ہر سال رمضان المبارک ہی میں جس قدر قرآن مجید اُس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا، اس کا مذاکرہ آنحضور ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے، تا آنکہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری رمضان المبارک میں آنحضور ﷺ نے پورے قرآن مجید کا مذاکرہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ کیا۔ اسی طرح گویا قرآن مجید کی ترتیب خود نبی اکرم ﷺ نے معین فرمائی اور آپؐ قرآن مجید کو امتِ مسلمہ کو منتقل فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

آنحضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں قرآن مجید کی تقسیم صرف سورتوں اور آیات میں تھی۔ اس کے علاوہ صرف ایک لفظ ہمیں اور ملتا ہے اور وہ "اَحزاب" کا یا منزلوں کا ہے۔ اس کو اس طرح گروپ کر دیا گیا کہ وہ سات حصوں میں منقسم ہو گیا۔ تاکہ ایک حصہ یا ایک حزب یا ایک منزل روزانہ تلاوت کر کے ہر ہفتے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل ہو جائے۔ بعد میں جب مسلمانوں کا ایمان اور اسلام کا جوش و خروش قدرے کم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن مجید کو تیس حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ہر مسلمان ہر روز ایک پارہ پڑھ کر ہر مہینے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کر لیا کرے۔ چنانچہ قرآن مجید کے یہ تیس پارے وجود میں آئے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہر پارے کو' بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ ہر سورت کو' رکوعوں میں تقسیم کیا گیا اور اس تقسیم سے آج ہم زیادہ واقف ہیں۔

قرآن حکیم کا پہلا پارہ جو "الٓمّ" کے نام سے موسوم ہے' سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی ایک سو اکتالیس (۱۴۱) آیات پر مشتمل ہے۔ سورۃ الفاتحہ جو ہماری نماز کا جزوِ لازم ہے' قرآن حکیم کی اہم ترین سورۃ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے نام بھی ہیں' اسے ام القرآن بھی کہا گیا ہے' اساس القرآن بھی کہا گیا ہے' اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے لئے بمنزلۂ اساس ہے۔ اسی طرح اس کا نام الکافیہ اور الشافیہ بھی ہے۔ سورۃ الفاتحہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کی افتتاحی سورۃ ہے۔ یہ سات آیات پر مشتمل ہے اور اس میں در حقیقت فطرتِ انسانی کی ترجمانی کی گئی ہے کہ ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان اس حقیقت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے' ایک مالک ہے' اور وہی اس کا پروردگار اور پالن ہار ہے۔ جو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ پھر اس حقیقت تک بھی اس کی رسائی ہو جاتی ہے کہ انسانی اعمال عبث اور بیکار نہیں ہیں' بلکہ ان کا نتیجہ نکل کر رہے گا اور انسان کو اپنے اعمال کی جزا یا سزا مل کر رہے گی اور اس کا پورا اختیار

اللہ ہی کے ہاتھ میں ہو گا' جو رب العالمین ہے۔ اس کے بعد اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں گویا کہ انسانی فطرت کی اس پکار کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے کہ اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے انسان ایک متوازن اور معتدل راستے کا محتاج ہے۔ اور یہ معتدل اور متوازن راستہ انسان اپنی عقل سے معیّن نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے وہ مجبور ہے کہ اللہ ہی سے درخواست کرے کہ وہ اس کے سامنے صراطِ مستقیم کو واضح کرے اور اس پر چلنے کی اسے توفیق عطا فرمائے۔ اس سورۃ الفاتحہ کا گویا کہ جواب ہے پورا قرآن مجید۔

یہی وجہ ہے کہ اگلی سورہ "سورۃ البقرہ" شروع ہوتی ہے انہی الفاظ سے کہ الٓمّٓ' ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ' هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے کہ جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو' جن میں نیکی کا شعور اور احساس موجود ہو' جو بھلائی اور ہدایت کے طالب ہوں۔ ان کے لئے کامل ہدایت نامہ اس قرآن شریف کی صورت میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمادیا۔

پہلے پارہ میں سورۃ البقرہ کی ایک سو اکتالیس آیات آئی ہیں۔ یہ سورۂ مبارکہ قرآن مجید کی طویل ترین سورۃ ہے۔ یہ ایک سو اکتالیس آیات سولہ رکوعوں میں منقسم ہیں' جن میں سے پہلے دو رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں' جن میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو قرآن مجید سے صحیح طور پر مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اس استفادے کی شرائط ان لوگوں کے اوصاف کی صورت میں بیان کر دی گئی ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یا اپنے تعصب کی بنیاد پر یا تکبر یا حسد کی وجہ سے کفر پر اڑ گئے ہیں اور اب گویا انہوں نے قرآن کریم کی ہدایت سے اپنے آپ کو یکسر محروم کر لیا ہے۔ اور ان دونوں کے مابین ایک تیسرا گروہ ہے جنہیں ہم منافقین کے نام سے جانتے ہیں --- جو مدعی تو ایمان کے ہوتے ہیں لیکن جن کے

دلوں میں ایک روگ ہوتا ہے۔ فِی قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ' فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا '
(آیت : ۱۰) اور یہ روگ جو ہے ان کو ایمان کی طرف یکسو نہیں ہونے دیتا۔

اس کے بعد دوسرے رکوع میں گویا قرآن مجید اپنی دعوت کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ اس کی اہم ترین آیت ہے :

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِی خَلَقَكُمْ وَالَّذِینَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (البقرہ : ۲۱)

اے انسانو! اے بنی آدم! اپنے اس رب کی بندگی اور پرستش اور اطاعت اور غلامی اختیار کرو، جس نے تمہیں پیدا فرمایا! اور تم سے پہلے جتنے انسان ہو گزرے 'ان سب کو پیدا کیا۔

اس کے بعد پھر انتہائی دلنشیں پیرائے میں سولہویں رکوع میں یہود کو دعوت دی گئی کہ ایمان لاؤ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر اور اتباع کرو اسی دینِ ابراہیمی کا' اسی ملتِ ابراہیمی کا' جس پر خود نبی ﷺ کاربند ہیں اور جس کی طرف اب تمہیں دعوت دے رہے ہیں۔ یہ دعوت ختم ہوتی ہے بڑے ہی بلیغ پیرائے میں کہ اے اہل کتاب! اے بنی اسرائیل! ہمارے اور تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید پر کاربند تھے۔ اسی توحید کی دعوت اور اسی کی وصیت انہوں نے اپنی نسل کو کی تھی اور اسی دعوت کو محمد رسولِ عربی ﷺ آج تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اب اگر تم اس سے روگردانی کرو گے تو یہ بات کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہو اور جلیل القدر انبیاء تمہاری نسل سے پیدا ہوئے ہیں' اللہ کے عذاب سے تمہیں بچا نہ سکے گی' بلکہ اب اللہ کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ۔